ملا صدرا کا رسالہ

وحدۃ الوجود : ایک جائزہ

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

صاحب اعیان الشیعہ کے قول کے مطابق جن چار عبقری شخصیتوں کا علوم وفنون کا ہمالہ بطور خاص فلسفہ وکلام کا ستون سمجھا جاتا ہے ان میں معلم ثانی ابونصر فارابی (متوفی ۳۰۴ھ تقریباً) شیخ رئیس ابن سینا (۴۷۲-۳-۴۷۳ھ) خواجہ نصیر الدین طوسی (۵۹۷-۶۷۳ھ) کے بعد چوتھے ملا صدرا محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر غلو کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً میں یہ کہہ دیتا کہ علمی اعتبار سے ملا صدرا کی حیثیت مذکورۃ الصدر حضرات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے خاص کر مکاشفہ اورعرفان ووجدان کے معاملہ میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔[۱]

چنانچہ ان کی عبقریت کے اعتراف میں قوم نے انہیں صدر المتالہین'' اور ''صدر المحققین'' کا خطاب دیا ہے۔ اس جلیل القدر شخصیت کا سنہ ولادت تقریباً ۹۸۰ھ ہے کیونکہ انہوں نے ۱۰۵۰ھ میں ساتویں بار حج سے واپسی میں ستر سال کی عمر پا کر وفات پائی۔

علمی نشوونما کے متعلق اتنا ملتا ہے کہ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار ابراہیم بن یحیٰ الشیرازی القوامی سے حاصل کی جس کی تکمیل اصفہان جا کر ان دونابغہ رزگار شخصیتوں سے کی جن کا سکہ معقولات کی دنیا میں اب بھی رائج ہے یعنی شیخ بہاؤ الدین محمد العاملی (ولادت ۹۵۳ھ ۱۰۳۱ھ) اور میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) جونظریہ حدوث دھر کے بانی ہیں اورجن کی شان میں اختلاف کرنے کے باوجود ملا محمود (متوفی ۱۰۶۲ھ) جیسے فلسفی اعظم ہندوستان شمس بازغہ میں فرماتے ہیں:

"خيرة الله اليقين بالمهرة السابقين مع توغله فى سياحتم ارض الحقيقة وتورطه فى سباحة يم الحكمة و وجود فى اعماق ثرى الملك باقدام انظاره الغائره وعروجه عن اطباق سماء الملكوت بقوادم افكار ه السافره۔" [۲]

انہی موخر الذکر استاد کی صحبت میں ملا صدرا نے عمر کا بیشتر حصہ گذارا اور انہیں کی روش پر چل کر اہل علم وفضل میں اس طرح شہرت دوام حاصل کی کہ آپ کے بارے میں کہا جانے لگا کہ

''انه اجل فلاسفة العصر الاموی شانا واعظمهم خطرا حتی لقد بلغ من دقة البحث وعمق التفکیر وطرافة التحقیق مبلغا فی منزلة تاتی بعد منزلة کل من ارسطو وابن سینا۔'' [۳]

جس منزل وہ فضل وکمال پر موصوف فائز تھے متاخرین میں کسی سے ان تک رسائی نہ ہوسکی اور متقدمین میں سے کم ہی اس مرتبہ سے بہرور ہوئے ہیں۔ صاحب روضات لکھتے ہیں:

''کان فائقاً علی سائر من تقدم من الحکماء الباذخین والعلماء الراسخین الی زمن مولانا الخواجه نصیر الدین منقحا اساس الاشواق بما لامزید علیه ومفتحا ابواب الفضیحة علی طریقة المشاوالرواق [۴] اس قول کی روشنی میں فلاسفہ متقدمین ومتاخرین دونوں کے درمیان ان کی شخصیت روز روشن کی طرح نمایاں نظر آتی ہے۔

اس عبقری روزگار نے اپنے وقت عزیز کا بیشتر حصہ درس و افادہ کے علاوہ کتب ورسائل کی تصنیف میں بھی صرف کیا جن کی تعداد بعض سوانح نگاروں کے قول کے مطابق ۳۳ بتائی جاتی ہے۔ ان میں شرح ہدایت الحکمۃ ''صدرا'' کے نام سے مدارس عربیہ کے منتہی طلبہ کے نصاب میں مشمول ہے۔ دوسری کتاب ''اسفار اربعہ'' ہے جو شیخ کی شفا'' محقق طوسی کی ''تجرید'' امام رازی کی ''محصل'' میر باقر داماد کے ''افق المبین'' کے دوش بدوش فلسفہ کی منتخب ادبیات عالیہ میں شمار ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب کی عظمت کے بارے میں محقق شیخ محمد حسین الاصفہانی (متوفی ۱۳۶۱ھ) فرماتے ہیں:

''لو اعلم احداً یفهم اسرار کتاب الاسفار لشددت الیه الرحال للتلمذة علیه وان کا فی اقصی الدیاد [۵]''

تیسری اہم تصنیف شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول (۵۵۰۔۵۸۶ھ) کی حکمۃ الاشراق جس کی علامہ قطب الدین شیرازی (۶۳۴۔۷۱۰ھ) نے شرح لکھی تھی اس کا حاشیہ ہے جو حکمت اشراق کے موضوع پر حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

مذہب وتصوف جس کا خاص اور اہم موضوع ''وحدت الوجود'' ہے ملاصدرا نے اس کی تعلیم دی ہے اور اسی موضوع کے تحت متعدد رسالے لکھے گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک ''رسالہ وحدت

الوجود' جو خوش قسمتی سے مولانا آزاد لائبریری کے یونیورسٹی کلکشن میں فارسیہ مذہب وتصوف ۲۴۹ نمبر کے تحت محمد محسن عباسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے جس پر سنہ کتابت ۱۳۱۸ھ مندرجہ ہے۔ رسالہ زیادہ طویل وضخیم نہیں ہے مگر اس ایجاز واختصار میں ''ماقل دل'' کی شان پیدا ہے۔ ذیل میں مطالب مجوثہ کا خلاصہ دیا جارہا ہے جس سے اس کی مرتبت واہمیت ہویدا ہوگی۔ رسالہ کی ابتدا اس حقیقت حقہ سے ہوتی ہے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور تمام علمی وحکمی سرگرمیوں کی غایت النایات ہے یعنی صانع عالم کے وجود پر یقین، جسے زبان شرح ایمان باللہ کہتے ہیں۔ مصنف رسالہ فرماتے ہیں:

بدان "وفقک الله تعالیٰ" کہ جمیع عقلاء اتفاق دارند بر ایں کہ عالم موجود را صانعی ثابت وتحقق است۔''

پھر نظریہ وحدت الوجود کے اثبات میں مصنف نے عقلی وبرہانی دلائل بھی دیے ہیں اور اس عقیدہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے قرآنی شواہد سے بھی استشہاد کیا ہے لیکن اس باب میں زیادہ اہم اقوال الذکر ہے یعنی نظریہ وحدۃ الوجود کا عقلی وبرہانی دلائل سے اثبات مصنف نے توضیح مقصد کے لئے اس سے پہلے ایک خاصی طویل تمہید دی ہے جس کے دو جز ہیں۔ پہلا جز تین افادیت پر مشتمل ہے۔

۱۔ افادہ اول کا کہنا ہے کہ ایمان باللہ ایک کائناتی حقیقت ہے جس پر جملہ عقلاء روزگار کا اتفاق ہے اور یہ عقیدہ ان کے قلوب میں اس درجہ راسخ ہے کہ بداہت کی حد تک پہنچ گیا ہے یعنی اتناہی بدیہی (Apriori) ہے جیسا کہ یہ حقیقت کہ کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے۔

۲۔ افادہ دوم کا کہنا ہے کہ اس عقیدہ کی ہمہ گیری کے باوجود تعالیٰ کہ کنہ وحقیقت ہنوز پردہٴ خفا میں ہے اور راز ایں پردہٴ نہاں است ونہاں خواہد بود۔

۳۔ افادہٴ سوم ایک تاریخی توجیہ ہے جو مفکرین عہد اسلام کی جماعت بندی سے متعلق ہے اس کی رو سے معرفت باری کے دو طریقے ہیں استدلال یا کشف وشہود۔ پھر طالب معرفت یا تو کسی کا پیرو ہوگا یا انبیاء ومرسلین کی اتباع سے بے نیاز ہوگا۔ اس کے نتیجے میں مفکرین کی چار جماعتیں ظہور میں آئیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو جو استدلال سے کام لیتے تھے متکلمین

کہلائے۔

۲۔لیکن اتباع رسولؐ کے باوجود حضرات ریاضت ومجاہدہ اور کشف وشہود پر اعتماد کرتے تھے صوفیاء کرام کہلائے۔

۳۔ اتباع رسول سے بے نیاز ہوکر جن لوگوں نے نظر واستدلال سے کام لیا وہ حکماء شاہین کہلائے۔

۴۔ اور اگر موخرالذکر نے مجاہدہ ومکاشفہ پر بھروسہ کیاتو وہ حکماء اشراقین کہلائے۔

ظاہر ہے یہ وہی تقسیم ہے جو حاجی خلیفہ (۱۰۱۷ھ۔۱۰۶۷ھ) نے کشف الظنون میں حکمۃ الاشراق کے تحت دی ہے۔ اس لیے یا تو مصنف نے اس کے لئے حاجی خلیفہ کی خوشہ چینی کی ہے یا حاجی خلیفہ سے استفادہ کیا ہے یا پھر دونوں کسی تیسرے مشترک آخذ کے رہینِ منّت ہیں۔

دوسرے جزو کے افادات میں مرکزی حیثیت ''موجود مطلق'' کے تصور کی توضیح وتبیین کی ہے کیوں کہ نظریۂ وحدت الوجود کا سنگ بنیاد یہی تصور ہے۔

وجود مطلق کے تصور کا نخرمایہ کیا ہے اور کس طرح اس نے ارتقاء کے منازل طے کئے اور پھر کس طرح یہ اسلامی فکر میں داخل ہوا بالخصوص اندلس کی فکری سرگرمیوں میں جن کے گرامی منزلت نمائندے شیخ اکبر تھے جو اسلامی فکر میں اس عقیدے کے ہادی یا علی الاقل ممثل اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل ایک تفصلی جائزے کی مقتضی ہے مگر چونکہ اس عاجز کی عرض داشت کا مقصد صرف اس رسالہ کا تعارف کرانا ہے، اس لیے دوسری تفصیلات سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

بہر حال مصنف نے اس پوری بحث کا آغاز''وجود'' کے مختلف مفاہیم ومصادیق کے ذکر سے کیا ہے۔ انہوں نے وجود کے صرف دو مصداق بتائے ہیں:

۱۔معنی مصدری جس کا مفہوم بودن یا شدن ہے یعنی ہونا۔

۲۔ دوسرا مفہوم وہ امر ہے جس کی بنا پر کوئی موجود ہوتا ہے۔

اس معنی کے مطابق وجود واجب کا بھی ہوتا ہے اور ممکن کا بھی لیکن واجب تعالیٰ میں یہ وجود عین ذات باری تعالیٰ ہوتا ہے مگر ممکن میں اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس طرح حسب تفریح شرح مواقف (الموقف الثانی المرصد الاوّل بمقصد ثالث) اس باب میں تین مذہب ہیں: امام ابوالحسن الاشعری (۲۷۰ھ-۳۳۰ھ) اور معتزلہ میں سے ابوالحسن البصری (المتوفی ۴۳۶ھ) کا کہنا

ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں ماہیت (یا ذات) کا عین ہوتا ہے مگر حکماء کہتے ہیں کہ واجب میں تو عین ماہیت ہوتا ہے مگر ممکن میں غیر ماہیت ۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ واجب اور ممکن دونوں میں وجود وماہیت ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں اور وجود ماہیت پر زائد ہوتا ہے ۔مگر مصنف رسالہ نے ان مذاہب ثلاثہ میں سے صرف دو مذہبوں کو بیان کیا ہے۔ ازاں بعد انہوں نے اسم ''اللہ'' کے مسمی کو متعین کیا ہے کہ:

اللہ علم ہے ذات واجب الوجود کے لئے جو جمیع صفات سے متصف اور تمام سمات نقص وحدت سے منزہ ہے۔

اس کے بعد اس ذات کے باب میں جو اللہ کا مسمی ہے تین مذاہب بیان کیے ہیں متکلمین کا حکماء اور صوفیاء کرام کا۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ذات نمبرا جزئی حقیقی ہے، نمبر ۲ خارج اور ذہن دونوں میں بسیط ہے اور نمبر ۳ اس کی صفات اس پر زائد ہیں (یہاں مصنف رسالہ وحدۃ الوجود نے جمہور علمائے علم کلام سے اختلاف کیا ہے کیوں کہ جب معتزلہ وغیرہ صفات کو غیر ذات مانتے ہیں اشاعرہ لاعین ولاغیر کہتے ہیں۔)

حکماء کا بھی یہی مسلک ہے مگر وہ صفات کو عین ذات گردانتے ہیں، لیکن صوفیاء کرام کا مسلک تفصیل چاہتا ہے ۔ مصنف نے اس باب میں ان کے تین فریق گردانے ہیں اور اس تفریح کا منشا واجب کے ساتھ ممکن کا اعتبار ہے، چنانچہ ایک فریق متکلمین وحکماء کی طرح واجب تعالیٰ کو بھی جزی حقیقی سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ جمہور اہل شریعت کی طرح ممکن کو بھی حقیقی سمجھتا ہے۔ نیز انہیں کی طرح واجب اور ممکن کو ایک دوسرے کا مغایر ومبائن دوسرا فریق بھی واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی سمجھتا ہے مگر ممکن کو موجود نفس الامی نہیں سمجھتا بلکہ سراب کی طرح واہمہ محض گردانتا ہے، یا بالفاظ دیگر:

ذات واجب نے صور متعددہ اور اشکال مختلفہ میں خود کو ظاہر کیا ہے۔ پس خارج ہو یا ذہن دونوں میں صرف وہی ذات موجود ہے ۔ رہے دوسرے موجودات جنہیں عرف عام میں ممکنات کہا جاتا ہے، سو وہ معدوم محض ہیں اور ان کی موجودیت محض وہمی وخیالی ہے۔

لیکن اس تقدیر پر شریعت ہو یا قانون ملکی (Public) دونوں کے اوامر ونواہی باطل قرار پاتے ہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود ہی نہیں تو پھر وہ کسے حکم دے رہا ہے کہ نماز پڑھ یا نیک کام کر اور کسے منع کر رہا ہے کہ برے کام نہ کر اور کسی کو قتل نہ کر۔

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود   پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے۔

اس لئے ایک تیسرا فریق کھڑا ہوا اور اس نے کلی وجزئی اور غیبت وغیریت کے امتیازی ہی کوختم کردیا۔ ان کے نزدیک واجب تعالیٰ شانہ بشانہ جزئی حقیقی نہیں ہے بلکہ وجود مطلق ہے الابشرط شئی یعنی اس میں کوئی قیدوتقیید نہیں ہے۔ رہے وہ موجودات جنہیں عرف عام میں ممکنات سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ دوسرے فریق صوفیاء کی طرح وہمی وخیالی نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی واقع میں موجود ہیں مگر اسی واجب تعالیٰ کے اسی وجود مطلق کے ساتھ۔

اسی طرح تمام موجودات (یا عرف عام کے ممکنات) عین باری تعالیٰ ہیں اور اسی کے وجود کے ساتھ موجود ہیں اور وجود مطلق لابشرط شئی ہے۔ اس نئے مذہب کے اختراع کے ساتھ انہوں نے اس معاشرتی اشکال کو مندفع کردیا جو دوسرے فریق کے یہاں ممکنات کو اوہام وخیالات سمجھنے سے پیدا ہوجاتا تھا،جس کی وجہ سے نیکی وبدی کا امتیاز ہی مٹ رہا تھا اور اباحت مطلقہ کی ترویج واشاعت کا راستہ صاف ہورہا تھا۔

اس لیے انہوں نے اس وجود مطلق لابشرط شئی کے ظہور کے لئے دو مرتبہ اختراع کیے:

۱۔ مرتبہ اطلاق جس میں وہ جملہ قیود وشرائط سے خالی اور متعالی ہے۔ اس مرتبہ میں وہ وجود مطلق معبود ہے۔

۲۔ مرتبہ تقید جس میں وہ تعینات وتشخصات سے متصف ہوتا ہے ۔ یہاں وہ عابد وبندہ اور معبود حقیقی کے جملہ اوامر نواہی کے بجالانے کے لئے مکلّف ہے۔ اس طرح انبیاء و رسل کی بعثت وارسال اور کتب مقدسہ الٰہیہ کے نزول وانزال کی ضرورت وافادیت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔

وحدت الوجود یا (Pantheism) کی اس توجیہ کی رو سے عابد ومعبود اور آمر ومامور میں واجب تعالیٰ مرتبہ اطلاق میں وجود مطلق سے متصف ہے مگر ممکنات مرتبہ تقیید میں اس سے متصف ہیں مصنف فرماتے ہیں کہ:

''مخفی نہ رہے کہ اس عینیت میں وجود کا شعور بڑے سخت مجاہدہ اور ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔'' (وایں عینیت مخفی می ماند وبعد مجاہدہ وریاضت منکشف می شود۔)

اس کے بعد وہ وحدت شہود کی حقیقت بتاتے ہیں یہ ایک مخصوص کیفیت کا نام ہے، جس کے نتیجے میں دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ اس نور کے بریق ولمعان میں عرش سے لے کر فرش تک

جملہ ماسوای باری تعالیٰ اسی طرح چھپ جاتے ہیں جس طرح سورج کی روشنی میں دوسرے ستارے نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح ماسوائے باری تعالیٰ جملہ ممکنات موجود حقیقتاً موجود ہیں مگر وحدت الشہود کی روسے عارف کی نظر میں نابود محض ہوجاتے ہیں۔ اور اسے صرف ذات باری تعالیٰ شانہ ہی کا شعور باقی رہ جاتا ہے۔

یہ تمہید تھی جسے مصنف علام نے نظریہ وحدت الوجود کی عقلی توجیہ کے لئے قائم کیا تھا۔انہوں نے اس طول طویل تمہید کا خلاصہ آخر میں بدیں طور دیا ہے:

اللہ۔علم ہے ذات واجب الوجود کے لئے اور اس ذات کے بارے میں اختلاف ہے۔

ا۔حکماء ومتکلمین کے نزدیک یہ ذات مستجمع الصفات جزئی حقیقی ہے اور جملہ موجودات حقیقہ موجود ہیں اور واجب تعالیٰ سے مبائن ومغائر ہیں۔

۲۔صوفیاء کرام کے اس باب میں دو گروہ ہیں:

(الف) ایک گروہ واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی قرار دیتا ہے اور موجودیت کو صرف اسی ذات واجب تعالیٰ میں منحصر گردانتا ہے۔ رہے ممکنات تو وہ واہمۂ محض ہیں اور ان کا وجود اعتباری ہے۔

(ب) دوسرے گروہ کے نزدیک واجب الوجود کی حقیقت وجود مطلق ہے جو نہ عام ہے نہ خاص، اور تمام شرائط و قیود سے منزہ متعال ہے۔ رہے ممکنات (یا عالم خارجی) تو وہ بھی اسی وجود مطلق کے ساتھ موجود ہیں(مگر مرتبہ تقید ہیں)۔ اس طرح واجب وممکن من وجہ عین یکدیگر ہیں اور من وجہ ایک دوسرے کے غیر ومبائن۔

مصنف اسی توحید کو اختیار کرتے ہیں کیوں کہ یہ جامع شریعت وطریقت ہے اور سرموجادۂ مستقیم سے متجاوز نہیں ہے ۔ اس خلاصہ مقال کے بعد انہوں نے نفس مسئلہ یعنی نظریۂ وحدت الوجود کے اثبات کو لیا ہے، مگر یہاں انہوں نے منطقی ثبوت کے بجائے تمثیل سے کام لیا ہے ۔ اور واجب تعالیٰ کو وجود مطلق ثابت کرنے کے لئے موجودات کے مراتب وجود کی صف بندی (Classification) کی ہے۔ اس کے لئے انہوں نے پہلے اشیاء منورہ کے اشراق درخشانی کی صف بندی کی ہے۔ ان اشیاء منورہ کی نورانیت میں تین مراتبہ ہیں:

مرتبہ اوّل جب کہ دو روشن چیزیں نور سے منور ہوں جنہیں اپنے علاوہ کسی غیر سے حاصل کیا ہو جیسے وجود زمین کہ وہ نور سے روشن ہوتی ہے، جسے وہ سورج سے حاصل کرتی ہے۔منوریت کا یہ

ادنیٰ مرتبہ ہے۔

ظاہر ہے اس مرتبہ میں شئے منور سے نور کا انفکاک ذہناً وخارجاً جائز واقع ہے۔ ہم یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ زمین موجود ہو مگر اندھیری یعنی روشنی معدوم ہو اور واقعتاً بھی ایسا ہوتا ہے کہ رات کے وقت زمین موجود ہوتی ہے مگر اندھیری اور نور سے خالی۔

مرتبہ دوّم: شئے منور ایسے نور سے روشن ہو جو خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہو، کسی غیر سے حاصل ومستفادہ نہ ہو، بایں ہمہ وہ شے عین نور نہیں ہوتی۔ اسکی مثال خود سورج ہے کہ اسکی روشنی خود اسکی ذات کا مقتضیٰ ہے بایں ہمہ سورج اور شئے ہے اور اسکی روشنی شئے دیگر۔

اس طرح یہ نور آفتاب خارج میں آفتاب سے جدا اور منفک نہیں ہوسکتا، مگر چونکہ نور آفتاب کا غیر ہے اس لئے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہے یا بالفاظ دیگر ذھنا نور کا آفتاب سے انفکاک ممکن ہے اگر چہ خارج میں یہ جائز نہیں۔

مرتبہ سوم: شئے منور خود اپنے ہی نور سے روشن ہو اور اپنی نورانیت میں کسی اور چیز کی محتاج نہ ہو، اس کی مثال خود نور کی ذات سے ہے کہ اپنی ذات ہی کی بنا پر منور ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں ظاہر وعیاں ہے اور اپنے ظہور کے لئے کسی دوسرے نور کا، جو اس کے کسی غیر سے حاصل ہو، محتاج نہیں ہے ۔ اس نور کا انفکاک خود سے نہ خارجاً جائز وممکن ہے اور نہ ذہناً کیوں کہ شئی اپنی ذات سے منفک نہیں ہوسکتی ۔

ان مراتب سہ گانہ کا ایک مرتبہ پھر گوشوارہ دیتے ہیں:

مرتبہ اوّل میں وہ روشن چیز منور بالغیر ہوتی ہے جیسے کہ زمین جو سورج کے نور سے منور ہے۔ یہاں تین چیزیں ہیں، زمین روشنی اور آفتاب اور تینوں باہم متغائر ہیں۔

مرتبہ دوّم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے جیسا کہ آفتاب منور بالذات ہوتا ہے مگر وہ نور غیر سے حاصل ہوتا ہے یعنی نور سے اس مرتبہ دو چیزیں ہوتی ہیں آفتاب اور نور جو دونوں باہم مغائر ومبائن ہیں۔

مرتبہ سوم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے مگر جس نور سے وہ منور ہوتی ہے وہ خود اس کی ذات ہی ہوتی ہے یعنی نور۔ اور وہ مرتبہ افضل نورانیت ہے۔

اسی تمثیل کی بنیاد پر مصنف نے موجودات کی صف بندی کی ہے۔

مرتبہ اول میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اسے موحد سے حاصل ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں تین چیزیں ہیں موجود، وجود اور موجد۔ اس مرتبہ میں موجود اپنے وجود سے خارجاً نیز ذہناً منفک اور جدا ہوسکتا ہے۔

مرتبہ اوسط میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اس کی ذات کا مقتضیٰ ہوتا ہے، جس طرح متکلمین کے نزدیک واجب تعالیٰ جو بذات خود مقتضیٰ وجود ہے۔ اس مرتبہ میں صرف دو چیزیں ہوتی ہیں: موجود مقتضیٰ اور وجود جو اس موجود حقیقی (واجب الوجود) کا مقتضیٰ ہے اور ان دونوں میں خارجاً انفکاک ناممکن ہے اگرچہ ذہناً ممکن ہے۔

مرتبہ اعلیٰ میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو خود ذات موجود کا عین ہوتا ہے۔ یہ وجود نہ اس موجود اعلیٰ کا غیر ہے اور نہ اس کے غیر سے مستفادہ ہے، اس لئے اس مرتبہ میں نور کی طرح ایک ہی چیز ہے یعنی وجود مطلق اور اسی طرح یہاں بھی وجود مطلق کا خود اپنے وجود سے انفکاک خارج اور ذہن دونوں میں محال اور ناقابل انفکاک ہے۔ یہ موجودیت کا افضل ترین مرتبہ ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ عقل حاکم ہے کہ واجب تعالیٰ مراتب وجود کے ساتھ متصف ہو اور موجودیت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ بنسفہ وبذاتہ موجود ہو یعنی اپنی ہی ذات کے ساتھ موجود ہو اسطرح دوسری اشیاء کی موجودیت اس کی محتاج ہو۔ اور موجود بنفسہ وجود مطلق ہے جس کی تفصیل اوپر گزری ہے۔

پس واجب تعالیٰ عین وجود مطلق ہے جو مرتبہ اطلاق میں معبود اور مرتبہ تقلید وتنزل میں عابد ہے۔ آخر میں اس تمام استدلال کا خلاصہ بدیں طور بیان کرتے ہیں:

''چاہیے کہ واجب تعالیٰ اتم وافضل ترین مراتب وجود سے متصف ہو مگر وہ اتم وافضل ترین مرتبہ موجودیت صرف وہ وجود ہے جو بنفسہٖ موجود ہے، جو اپنی موجودیت میں کسی دوسری شئے کا محتاج نہیں ہے۔ پس حقیقت واجب نہیں ہے مگر وجود مطلق جو موجود بنفسہ ہے اور باقی جملہ اسی سے موجود ہوتی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ واجب الوجود مطلق ہے جو بنفسہ موجود ہے اور باقی دوسری اشیاء اسی وجود سے موجود ہیں جیسا کہ نور جو بنفسہ روشن ہوتا ہے اور تمام دوسری اشیاء اس سے روشن ہوتی ہیں۔ اپنے موقف کو زیادہ مستحکم بنانے کے لئے مصنف نے رسالہ کا اختتام شواہد قرآنی سے کیا ہے، مگر ان

کی تفسیر وتاویل میں اہل شریعت سے اختلاف ہوسکتا ہے اس لئے ان کے بیان سے صرف نظر کرنا ہی مستحسن ہوگا۔ آخر میں صاحب اعیان الشیعہ کے اس تبصرہ کونقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں انہوں نے مصنف کی فلسفیانہ کتابوں کو دینی اور دینی کتابوں کو فلسفیانہ کہا ہے۔ فرماتے ہیں: ''نحق ان نعد کتبه الفلسفية کتبادينيه و نعد کتبه الدينيه کتبا فلسفية۔'' اور یہ واقعہ ہے کہ اس کڑی کمان کو زہ کرنا جس میں نہ تو شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے پائے اور نہ حکیمانہ تحقیق میں کوئی کوتاہی رہنے پائے اپنی جگہ ایک اہم علمی ودینی کارنامہ ہے، جس کے لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے:

در کفی جام شریعت در کفی سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

حوالے:

۱۔محسن امین اعیان الشیعہ ۴۵/ ۱۰۰۔
۲۔ ملامحمود شمس بازغہ ص ۲۵۳
۳۔دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۲۶/۱۴) مطبوعہ تہران
۴۔خوانساری ، روضات الجنات ص ۳۳۱۔
۵۔محسن امین اعیان الشیعہ (۵۴/ ۱۰۰)

☆